مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ لکھنوی عرف للّن صاحب کی مرثیہ نگاری

ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب، پاکستان

نام، اولاد حسین۔ عرفیت، للّن صاحب۔ تخلص، شاعرؔ۔ لقب، خطیب اکبر۔ جوشؔ ملیح آبادی انہیں ''لسان الشعراء'' کہا کرتے تھے۔

شاعرؔ لکھنوی خاندان اجتہاد کے ایک اہم فرد تھے، دعبل ہند سید فرزند حسین ذاخرؔ لکھنوی کے نامور فرزند تھے، شاعرؔ لکھنوی مورخ، عالم، واعظ، خطیب، ادیب، شاعر، داستان گو، ناول نگار، فلم کہانی کار اور نغمہ نگار، صحافی، ڈرامہ نگار، اور مرثیہ نگار بھی تھے۔

نواب حامد علی خاں والیٔ رام پور کے دربار میں شعبۂ علم وادب میں ۱۹۲۱ء سے ملازمت رہی لیکن کچھ عرصے بعد لکھنؤ واپس آ گئے۔ جب ۱۹۳۰ء میں نواب رضا علی خاں ریاست رام پور کے والی قرار پائے تو وہ شاعرؔ لکھنوی کو لکھنؤ آ کر اپنے ساتھ لے گئے، یہ سلسلہ ملازمت ۱۹۴۲ء تک قائم رہا۔

رام پور کا کتب خانہ رضا لائبریری جو ایشیا کا تیسرا سب سے بڑا کتب خانہ ہے، وہاں شاعرؔ لکھنوی کو مسلسل مطالعے کا موقع ملا۔ رام پور کا عشرۂ محرم اور مختار نامے کا عشرہ وہ برسوں پڑھتے رہے، رام پور کی فروغ عزاداری میں للّن صاحب شاعرؔ نے بھرپور حصہ لیا۔ نواب صاحب ان کے طرز خطابت کو بہت پسند کرتے تھے۔

رام پور کی ملازمت کے زمانے میں وہ غزلیں، نظمیں، قصیدے، مثنویاں اور مرثیے سلام اور نوحے بھی کہتے رہے، ان کی قومی و وطنی نظموں پر مشتمل ایک مجموعہ ''سبد گل'' کے نام سے لکھنؤ سے شائع ہوا۔ شاعرؔ لکھنوی نے سیارہ، میزان، جدت، نظارہ، ہمراہی، سحاب اور کئی اخبار اور رسائل جاری کئے جن میں سے ''نظارہ'' بعد تک فضلؔ نقوی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

رام پور کی ملازمت کے دوران وہ افسر امور خیر بھی رہے اور پبلسٹی آفیسر بھی رہے، سروجنی نائیڈو، تاجورؔ نجیب آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، ہوشؔ بلگرامی، شوقؔ رام پوری، اثرؔ رام پوری، دیوان سنگھ مفتونؔ، خواجہ حسن نظامی، شوکت علی فہمیؔ، حسن بقائی، محمد طفیل، سالکؔ، جالبؔ، چراغ حسن حسرتؔ سے ان کے قریبی دوستانہ مراسم رہے۔ شاعرؔ لکھنوی کے شاگردوں میں ہز ہائنس عصمت زمانی بیگم (راج ماتا رامپور)، شمسؔ لکھنوی بہزادؔ لکھنوی، اعجاز حسین ضامنؔ، ساحلؔ بلگرامی، نخشبؔ (فلم کہانی کار و نغمہ نگار) جیسے شاعر شامل تھے۔

رام پور کے زمانہ قیام میں انہوں نے دو طویل داستانیں ''علم ہندوستان'' جس میں ہندو مذہبی فلسفہ کو ناول کے انداز میں تحریر کیا۔ دوسری داستان طلسم انسان لکھی ''طلسم انسان'' لکھی جس میں علم تشریح کو نازک ترین تشبیہات کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ کتابیں رضا لائبریری میں موجود ہیں، رات کی شب بیداری میں نواب زادوں اور نواب زادیوں کو یہ کہانی سنائی جاتی تھی۔

حیدرآباد دکن کے نظام عثمان علی خاں کی فرمائش پر شاعرؔ لکھنوی مجالس پڑھنے حیدرآباد دکن بھی جانے لگے تھے، آخری مجلس انہوں نے عنایت یار جنگ کے امام باڑے میں پڑھی، مجلس پڑھتے ہوئے منبر پر بے ہوش ہو گئے، ڈاکٹروں نے دیکھا تو شدید بخار تھا، عثمانیہ اسپتال میں داخل کیا گیا، اس دن ان کے جگر کے اندر جو مخفی پھوڑا تھا وہ پھوٹ گیا، آخر اسی مرض میں ۱۵ر ستمبر ۱۹۵۷ء کو حیدرآباد دکن میں انتقال کیا۔

حیدرآباد دکن میں بہت دھوم سے ان کا جنازہ اٹھا۔ چھ مہینے تک میت حیدرآباد میں سونپ دی گئی۔ ان کی وصیت کے مطابق میت لکھنؤ لائی گئی غفرآنمابؒ کے تاریخی امام باڑے کے پہلے دالان میں ان کے والد فرزند حسین ذاخرؔ لکھنوی کی قبر کے پائنتی میں دفن کر دیا گیا۔

للّن صاحب شاعرؔ لکھنوی کی اولاد میں پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ پانچ بیٹوں میں مہدی سنظمی جو بہترین شاعر اور مرثیہ گو تھے، زیادہ تر دہلی میں قیام رہا، شمس الحسن تاجؔ منجھلے فرزند تھے جو مشہور آرٹسٹ تھے، تیسرے فرزند سید شریف الحسن ناظرؔ خیامی مزاح نگار، شاعر، خطیب اور ذاکرِ حسین تھے۔

چوتھے فرزند شہر یار حسین جبرئیلؔ اجتہادی اور پانچویں فرزند رشید الحسن ساغرؔ خیامی مزاحیہ نظم نگار شاعر ہیں، دو بیٹیاں شمیمہ بیگم اور صفدری بیگم تھیں۔

شریف الحسن ناظرؔ خیامی میرے قریبی دوست تھے اور لکھنؤ کے علمی وادبی حلقوں میں شفو بھائی کے نام سے مشہور تھے۔ شاعری میں جوشؔ ملیح آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ فکر معاش نے ان کی ادبی صلاحیتوں کو گہنا دیا تھا۔ محرم میں مجلسیں اور عشروں سے کام چلتا تھا۔ لیکن ''افضل محل'' کا عشرہ اوقاف نے جب ان سے واپس لیا تو وہ پریشان ہو گئے۔ ہم اور سلطان ان کے لکھنؤ میں دو ہی ہمدرد دوست تھے ہم نے اور سلطان نے اس وقت سلطان کے گھر عشرے کا اہتمام کیا۔ سلطان کا گھر ''افضل محل'' سے متصل تھا۔۔۔۔۔۔۔ کاظم ہوٹل کے پہلو میں ایک لانڈری کھول لی تھی، اسی سے گذارہ ہوتا رہا۔ مشاعروں میں ان کا انتظار ہوتا تھا، جب وہ مزاحیہ رباعیات اور قطعے پڑھتے تو سامعین کھڑے ہو ہو کر داد و تحسین سے نوازتے تھے۔ پورے سال میں ہر شبِ جمعہ مجلس پڑھنے تال کٹورے کی کربلا جاتے تھے۔ اوقاف سے کچھ رقم انہیں مل جاتی تھی۔ مجلس پڑھ کے کسی قبر پر لیٹ جاتے اور فلسفیانہ باتیں شروع کر دیتے۔ ان کی شخصیت پر میں نے ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ اکثر للّن صاحب شاعرؔ لکھنوی کے بارے میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ الفاظ تمام ضبطِ تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ان کی ان مجالس کا ذکر کیا جو بغرض نثاری لکھی گئی تھیں۔ ''جنگ رمل'' منظوم انہوں نے سنائی جس میں حضرت علیؑ کی جنگ نظم کی گئی تھی۔

۱۹۲۶ء میں جب مولانا للّن صاحب رام پور میں قیام پذیر تھے اسی زمانے میں انہوں نے ''اصلاح'' کھجوا (ضلع سارن، بہار) کے لئے ایک دینی افسانہ ''ملکۂ طرابلس (لیبیا) خانۂ بنی ہاشم میں'' میں لکھا تھا، حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار کی شجاعت اور جنگ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

شفو بھائی نے بتایا تھا کہ شوکت حسین رضوی کی فلم ''زینت'' کی کہانی بھی مولانا للّن صاحب نے لکھی تھی، اور فلم کی مشہور قوالی ''آہیں نہ بھریں شکوے نہ کئے کچھ بھی نہ زباں سے کام لیا۔'' شاہ نور اسٹوڈیو لاہور کی سالانہ مجلس ۸؍محرم کی میں برسوں پڑھتا رہا ہوں۔ اسی زمانے میں یہ بات میں نے شوکت حسین رضوی سے دریافت کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میرے علم میں نہیں ہے، ہوسکتا ہے نخشب نے مولانا سے کہانی لکھوائی ہو اور یہ قوالی بھی۔

للّن صاحب کو آخری مرتبہ میں نے ۱۹۵۶ء میں سنا مقبرۂ عالیہ گولہ گنج کی مجلس جو ۸؍ربیع الاول کو شام ۵ بجے منعقد ہوتی تھی، کپاسی رنگ (کریم کلر) کی شیروانی اور سیاہ ٹوپی پہنے ہوئے تھے، سیدھے ہاتھ کو منبر تھا، اس دن وہ ''تاریخ شیعیت'' کے موضوع پر تقریر کر رہے تھے، یہ میرے بچپن کی بات ہے۔ ۱۹۵۷ء میں ان کا انتقال ہوا، چہلم کا رقعہ جو شائع ہوا، وہ گتے پر چسپاں تھا ہر جگہ آویزاں نظر آتا تھا، رقعہ میں ان کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی، برسی کی مجلس میں شمس الحسن تاجؔ ہر سال للّن صاحب کا مرثیہ پڑھتے تھے۔ دل تو چاہتا ہے کہ یہاں شمس الحسن تاجؔ (شمسی بھائی) کے بھی کچھ حالات لکھے جائیں لیکن مضمون طویل ہو جائے گا۔ ۱۹۸۱ء میں جب دوبارہ لکھنؤ گیا تو شمسی بھائی

سے میں نے للّن صاحب کے مرثیوں کا تذکرہ کیا۔ فضل نقوی صاحب سے بھی تذکرہ کر چکا تھا، بہر حال مولانا کلبِ صادق صاحب کے یہاں میں بیٹھا ہوا تھا، اتفاق سے مولانا کلب عابد صاحب بھی موجود تھے۔ للن صاحب کے تمام مرثیے مولانا کلبِ صادق صاحب نے لاکر میرے پاس رکھ دئے۔ منّن بھائی مرحوم میرے ساتھ تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ تمام مرثیوں کے مطلع جات اور چنیدہ بند ایک کاغذ پر نقل کر دیجئے۔ مرثیوں کا کاغذ بوسیدہ ہو چکا تھا۔ لفظ پڑھنا مشکل تھا، پھر منّن بھائی کی تحریر بھی جناتی تھی، کچھ چیزیں محفوظ ہیں، ایک مرثیہ اور مطلع یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(پہلا مرثیہ) عنوان: **تاریخ مرثیہ**

اس مرثیہ میں ۱۷۰ بند ہیں، مرثیے کے آخر میں حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت نظم کی گئی ہے، مطلع ہے:۔

حق نے اسلام کو جو دی تھی وہ دولت نہ رہی
شکر نعمت نہ کیا ہم نے تو نعمت نہ رہی
تاجِ شاہی نہ رہا شوکت وحشمت نہ رہی
اس قدر بگڑے کہ پہلی سی طبیعت نہ رہی
خویش کش نام ہوا غیر کے محتاج ہوئے
جن کے سر رہتے تھے قدموں پہ وہ سرتاج ہوئے



مرشد آباد کی دولت کو مٹایا ہم نے
خود سراجِ رہ بنگال بجھایا ہم نے
شہر میسور کو کانٹوں میں پھنسایا ہم نے
راستہ قلعے کا غیروں کو بتایا ہم نے
شعلہ ور نار حسد ہوگئی غداری سے
اپنا گھر پھونک دیا اپنی ہی چنگاری سے

یہ مرثیہ میں نے شمس الحسن تاج (شمسی بھائی) سے غفرانمآبؒ کے امام باڑے میں سنا تھا۔ جب شمسی بھائی نے اس کے مصائب پڑھے اور اس بند پر پہنچے جس میں حضرت علی اصغرؑ کے تیر لگنے کا ذکر ہے تو پہلے مختلف شعراء کے شعر پڑھے۔ اس میں ذاکر لکھنوی کا بھی ایک شعر پڑھا تھا جو مجھے اس وقت یاد نہیں پھر پیارے صاحب رشیدؔ کا شعر پڑھا۔

باغِ جنت میں دلِ فاطمہؑ بے تیر چھدا
حلق اصغرؑ کا چھدا بازوئے شبیرؑ چھدا

پھر للّن صاحب کی یہ بیت پڑھی:

کیا کہوں گردنِ اصغرؑ کے سوا کیا چھیدا
مرنے کے بعد بہتر کا کلیجہ چھیدا

(دوسرا مرثیہ) عنوان: **تاریخ شیعیت**

تھا وہ اک عہد کہ معروف تھے مشہور تھے ہم
گوہرِ منتخبِ دیدۂ جمہور تھے ہم
کہیں سلطاں، کہیں حاکم، کہیں دستور تھے ہم
اور جہاں کچھ بھی نہ تھے کام کے مزدور تھے ہم
صبح سے دھوپ میں ہنگام شفق آتا تھا
سائے کے نام سے ماتھے پہ عرق آتا تھا

اس مرثیہ میں نور جہاں، چاند بی بی، بیرم خاں، ابوالفضل، فیضیؔ، غفران مآبؒ غرض پورے ہندوستان کی شیعیت اور شیعیت کے لئے جنھوں نے خدمات انجام دی ہیں ان سب کا ذکر ہے۔

تیمور لنگ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:۔

کوئی چرواہا کہے کوئی گدا ومزدور
ہم کہیں فاتحِ چیں ہو شربائے فغفور
ایشیا کے سرِ اقبال کا دیہیمِ غرور
ذرّۂ خاکِ درِ حیدرؑ صفدر تیمور
جس نے شبیرؑ کا غم ہند میں منوایا تھا
تعزیہ، تاج کی جا سر پہ لئے آیا تھا

یہ مرثیہ بھی شمسی بھائی سے میں نے سنا اور مندرجہ ذیل بند پڑھت میں بہت عمدہ طریقے سے بتا کے پڑھا تھا:

(بقیہ۔۔۔صفحہ ۱۲/پر)

موت سے ہمکنار ہوئے۔ نیزوں نے اُن کے جسم ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ اور سب نیزے کھا کر زمین پر گر چکے۔

''کیا یہ صحیح ہے کہ عباسؑ کے ہاتھ بھی قطع ہوگئے تھے جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے۔''

(۱۸؍جون ۱۹۵۵ء/ ۱۶؍شوال ۱۳۰۴ھ)

بقیہ۔۔۔۔مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ لکھنوی

ایک تربت بنی پھر خاکِ شفا سے سرِ دست
زندگی بھر رہا تیمور مئے عشق سے مست
اپنے ہی دعوے سے ہوتی ہے مورّخ کو شکست
کون اس کو کہے ظالم جوہو مظلوم پرست
چتر کے سائے تھا، تلواروں کے یا سائے تھے
اس طرح ٹھاٹھ سے دلّی میں حسینؑ آئے تھے

چاند بی بی کا جو حال نظم کیا ہے وہ بھی لاجواب ہے۔ میدانِ جنگ میں گھوڑے پہ بیٹھی ہے اور سیاہ نقاب چہرے پر پڑی ہے، شمسی بھائی یہ بندلاجواب پڑھت میں ادا کرتے تھے۔

چاند بی بی قمر برجِ شرف مہر وقار
مَلکی دل، فلکی عزم، ہلالی تلوار
قلعۂ آگرہ تک آتی تھی جس کی جھنکار
قلعہ ٹوٹا نہ مگر ٹوٹ سکا دل کا حصار
کیوں جُھکے فرق کہ باخطِّ جلی لکھا ہے
رہو حد پر کہ سرِ خود علیؑ لکھا ہے

(تیسرا مرثیہ) عنوان: **''مزدور اور اسلام''**

فاقہ کش بھی تھے نبیؐ فاتح ومنصور بھی تھے
عزّتِ خاک بھی تھے مطلع والنور بھی تھے
ان کے گھر دولتِ کونین سے معمور بھی تھے
حق کے محبوب بھی تھے خلق کے مزدور بھی تھے
ہو اشارہ تو قمر شق ہو رسالت ایسی
سنگ خندق سے اٹھائے ہیں مشقّت ایسی

اس مرثیہ میں ۱۷۰ بند ہیں اور اس میں جنگ خندق نظم کی ہے اور آخر میں حضرت علیؑ کی شہادت کا بیان ہے۔ 

بقیہ۔۔۔۔مرثیہ مولانا سید صادق حسین عقیلؔ

(۱۳۱)

باتیں ابھی تو کرتے تھے ہے ہے یہ کیا ہوا
اُنگلی اٹھا کے جانب قبلہ یہ کیا پڑھا
ٹپکا پسینہ ماتھے سے تن سرد ہوگیا
کیا جلد میرے احمدؐ ثانی نے کی قضا
آنکھیں بھی بند ہوگئیں منکا بھی ڈھل گیا
میں دیکھتی ہی رہ گئی اور دم نکل گیا

(۱۳۲)

خاموش اے عقیلؔ کہ ٹکڑے ہوا جگر
اب کر یہ رو کے عرض کہ اے شاہؑ بحر و بر
روشن ہے اس غلام کا احوال آپ پر
جاؤں کہاں میں دامن دولت کو چھوڑ کر
مقبول اِس غلام کی یہ التجا کرو
آباد لکھنؤ کو برائے خدا کرو

نوٹ: اس مرثیے کا شروع کا ایک صفحہ غائب ہے جس کی وجہ سے چار بند نہیں مل سکے۔ بیچ کا ایک سوپچیسواں (۱۲۵) بند بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

بقیہ۔۔۔۔مسلمانوں کی حقیقی اکثریت۔۔۔

دوسرے کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ لیکن حسینؑ نے اپنے ساتھ غیر خاندان کی تمام جماعتوں کے بہت سے اصحاب انصار واعوان کو مثال میں پیش کیا جن کے خیالات و احساسات وجذبات میں حد مشترک سوائے نصرت اسلام کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ حقیقۃً اتنے ہم آہنگ، ہم دل، ہم زبان، ثابت قدم، مستقل پختہ مسلمان دنیا کے سامنے بطور نمونۂ عمل کے نہ واقعہ کربلا کے پہلے کبھی پیش ہوئے نہ واقعہ کربلا کے بعد اور یہ واقعہ کربلا کا وہ پہلو ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو ہمیشہ اس کی یاد تازہ رکھنا چاہئے۔

نوٹ: یہ مضمون امامیہ مشن، لکھنؤ کے محرم ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں، پھر جنوری ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (دیکھئے امامیہ مشن سلسلہ اشاعت نمبر ۲۷۳)